اکرام اللہ ساجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف تصحیح

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھتے رہے، پھر تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا ــــ اور اس سلسلہ میں ارشاد ہوا:

"وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ"

کہ (اے نبیؐ) ہم نے اس قبلہ کو، جس کی طرف آپ متوجہ تھے، اس لیے قبلہ قرار دیا تھا، تاکہ ہم جان لیں، کون (اللہ کے) رسولؐ کی اتباع کرتا ہے اور کون اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے؟

پورا قرآن پڑھ جائیے، یہ حکمِ الٰہی کہیں موجود نہیں کہ "(اے نبیؐ) آپؐ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیے" بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کا فعل ہے ــــ اور سنتِ رسولؐ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجئے، کہ رب العزت نے اپنے رسولؐ کی اس سنت کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور ــــ "وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم...الخ" کے الفاظ ذکر کرکے اس قبلہ کے تعین کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ "ہم نے اسے اس لیے قبلہ قرار دیا..." ــــ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شریعت کے ہر حکم کا قرآن مجید میں لفظاً موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ بھی ہمارے لیے شرعی حجت ہیں ــــ "وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ" ــــ اور "انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس" کا یہی مطلب ہے ــــ اور حجیتِ حدیثِ رسولؐ کا یہ موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا اور بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا، لیکن اس کا حق شاید ہی ادا ہو سکے:

"فذلک بحر لا ساحل لہ" کہ "یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارا موجود ہی نہیں"

تمہیداً ہم نے یہ بات اس لیے بیان کی ہے کہ "مزارعت" (زمین بٹائی پر دینے) کے جواز کا انکار کرنے والے (جن میں ہمارے محترم ڈاکٹر اسرار احمد بھی شامل ہیں، اور ایک مسئلہ میں ہم اپنے گزشتہ اداریے صفحات میں اُن کی حمایت بھی کر چکے ہیں، کہ ہمارا شیوہ ہی حمایتِ حق ہے۔ اور کسی شخص کی کسی ایک بات کی حمایت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس کی غلط باتوں پر بھی "آمنا وصدقنا" کی مہر ثبت کر دیں گے ۔ لہٰذا ہم انھیں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ) یقیناً غلط بنیادوں پر سوچ رہے ہیں ۔ قرآنِ مجید میں ایک مسئلہ کے بظاہر موجود نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا وجود شریعت میں موجود ہی نہیں یا وہ ناجائز ہے، کہ حدیثِ رسولؐ سے اگر ہمیں اس کا ثبوت مل جاتا ہے تو اس کا جواز تسلیم کر لینے میں ہمیں قطعاً تامّل نہ ہونا چاہیے ۔ اور جب اس نقطۂ نظر سے ہم اس مسئلہ کا جائزہ لیں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ:

۱۔ "عن عبد اللّٰہ بن عمر انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دفع الی یہود خیبر نخل خیبر و ارضہا علی ان یعتملوھا من اموالھم ولرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شطر ثمرھا"

(رواہ مسلم) وفی روایۃ البخاری: "انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطی خیبر الیہود ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ما یخرج منہا"

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ خیبر کو خیبر کی کھجوروں کے درخت اور اس کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس پر اپنے مالوں سے محنت کریں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اُس کے پھلوں میں حصّہ ہو" ۔ اور بخاری کی روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر، یہود کو دیا کہ اُس میں محنت کریں اور کھیتی باڑی کریں اور یہود کے لیے اس کی پیداوار میں حصّہ ہو"

چنانچہ بخاری شریف ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

۲۔ "عن قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع وزارع علی وسعد بن مالک وعبد اللّٰہ بن مسعود وعمر بن عبد العزیز والقاسم وعروۃ وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی وابن سیرین وقال عبد الرحمٰن بن الاسود کنت اشارک عبد الرحمٰن بن یزید فی الزرع وعامل عمر الناس علی ان جاء عمر بالبذر من عندہ فلہ الشطر وان جاؤا بالبذر فلھم کذا"

کہ "مدینہ میں ہجرت کے کوئی اہل بیت ایسے نہ تھے جو تہائی اور چوتھائی پر زراعت نہ کرتے تھے ۔ اور زراعت کی علیؓ، سعدؓ بن مالک، عبد اللہ بن مسعودؓ، عمر بن عبد العزیزؒ، قاسمؒ، عروہؒ اور اولاد ابی بکرؓ، اولاد عمرؓ، اولاد علیؓ

اور ابن سیرین نے! اور عبدالرحمان بن اسود نے کہا کہ میں مزارعت میں عبدالرحمان بن یزید سے شراکت کرتا تھا ۔ اور حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیا کہ اگر حضرت عمرؓ اپنے پاس سے بیج لائیں تو اُن کے لیے نصف حصّہ ہو اور اگر لوگ بیج لائیں تو اُن کے لیے اس قدر حصّہ ہوگا ۔" کیا ان احادیث سے مزارعت کا جواز فراہم نہیں ہوتا؟

ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض روایات مزارعت سے ممانعت کے سلسلہ میں بھی ملتی ہیں ۔ لیکن ان میں اس ممانعت کی وجہ بھی ذکر کر دی گئی ہے ۔ مثلاً :

۳ ۔ عن رافع بن خدیج قال کنا اکثر اهل المدینة حقلا و کان احدنا یکری ارضه فیقول هٰذه القطعة لی و هٰذه لك فربما اخرجت ذه و لم تخرج ذه فنهاهم النبی صلی الله علیه وسلم؟ (بخاری و مسلم)

کہ "ہم اکثر اہلِ مدینہ کھیتی باڑی کرتے تھے ، اور ہمارا ایک ، اپنی زمین کو کرائے پر دیتا تھا ۔ اور کہتا تھا ، اس قدر زمین کا ٹکڑا میرے لیے ہے اور یہ تیرے لئے ہے ۔ چنانچہ کبھی اس قطعہ میں کھیتی نکلتی اور کبھی نہ نکلتی پس اس وجہ سے ان کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ۔"

۴ ۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت یوں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :

"کنا نخابر و لا نری بذٰلك بأسا حتی زعم رافع بن خدیج ان النبی صلی الله علیه وسلم نهٰی عنها فترکناها من اجل ذٰلك؟

کہ "ہم مخابرت کرتے (اور یہی مزارعت بھی ہے) اور اس میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے ، یہاں تک کہ رافعؓ بن خدیج نے خیال کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ، پس اس سبب سے ہم نے اسے چھوڑ دیا ۔"

غور فرمائیے ،

بخاری اور مسلم کی پہلی متفق علیہ حدیث میں مزارعت کی ایک خاص شکل سے (جو کہ صریحاً ظلم پر مبنی تھی کہ اس میں یہ تعیین تھی کہ فلاں قطعہ زمین کی پیداوار ایک کے حصّے میں آئے گی اور فلاں قطعہ زمین کی پیداوار دوسرے کے حصّہ میں آئے گی) منع فرمایا گیا ہے ، جبکہ مسلم شریف کی دوسری روایت میں کوئی وجہ مذکور نہیں ۔ تاہم اس کی رو سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ مزارعت میں کوئی حرج نہیں دیکھتے اور رافعؓ بن خدیج کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ۔ چنانچہ "قال رافع بن خدیج" کی بجائے "زعم رافع بن خدیج" کے الفاظ خصوصی طور پر قابلِ غور ہیں ۔۔۔ اور اگر عروہؓ بن زبیر سے ابنِ ماجہ کی ایک حدیث کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ساری الجھن رفع ہو جاتی ہے کہ :

"زید بن ثابتؓ کہا کرتے تھے ، رافع بن خدیجؓ کو اللہ بخشے ، خدا کی قسم ، میں اس حدیث کو ان سے

زیادہ جانتا ہوں، دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، وہ جھگڑا کر چکے تھے، آپؐ نے فرمایا، اگر تمھارا حال یہ ہے تو کھیتوں کو بٹائی پر مت دیا کرو، پھر رافعؓ نے اتنا ہی جملہ سن لیا "کہ کھیتوں کو کرایہ پر مت دیا کرو" (اور مطلق ممانعت روایت کرنے لگے، حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشروط فرمایا تھا کہ اگر جھگڑا کرتے ہو تو بٹائی مت کیا کرو")۔

— اور پھر بخاری مسلم کی مذکورہ روایت (۳۷) جو ہم نے ممانعت مزارعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے ذکر کی ہے لیکن جس میں ممانعت کی ایک خاص وجہ مذکور ہے، یہ بھی رافعؓ بن خدیج ہی سے مروی ہے، جس سے سارا معاملہ ہی صاف ہو جاتا ہے کہ جس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی۔ یہ صورت تو جمہور کے نزدیک بھی ناجائز ہے، لیکن جس بٹائی میں خطرہ نہ ہو وہ بلاشبہ جائز ہے!

آخر میں ہم ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں سے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کتاب و سنت اسلام کے بنیادی مآخذ ہیں، کسی بھی معاملہ کے تصفیہ کے لیے ہمیں انہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا — ایک مآخذ کا اقرار اور دوسرے کا انکار، دونوں ہی کے انکار کے مترادف ہوگا کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں — اور ان سے استدلال کا یہ طریقہ بھی نہیں کہ آپ اپنے ذہن میں ایک مفروضہ ترتیب دے ڈالیں اور پھر کتاب و سنت سے اپنے افکار کی تائید میں دلائل فراہم کرنا شروع کر دیں۔ یہی نہیں بلکہ ایک انتہائی واضح حکم کو ایک مشروط حکم پر اس لیے قربان کر دیں کہ اس سے آپ کے خیالات کو تقویت پہنچ سکتی ہے — اس کے برعکس ایک سچے مسلمان کا یہ شیوہ ہے کہ ان ہر دو بنیادی مآخذ پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے، انہی کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کرے — ذرا اس نقطۂ نظر سے بھی سوچیے، پھر دیکھیے کہ آپ نے مزارعت کے ناجائز ہونے کا جو فتویٰ صادر فرمایا ہے وہ کہاں تک درست ہے؛ — پھر اگر آپ راہِ صواب تک پہنچ گئے تو آپ نہ صرف عوام سے اپنی خدمتِ قرآن کا لوہا منوا سکیں گے بلکہ روزِ قیامت بھی آپ کو رسول اللہؐ کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے گا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا تھا، آپ اُسے ناجائز قرار دینے والے کون تھے؛ —

وما علینا الا البلاغ! — وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین!

(اکرام اللہ ساجد)